۱۰۔ لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہوگئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے نا آشنا ہوگئے اس لئے شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس بات سے روکا۔

۱۱۔ لوگوں کی بنا نزاع کیا بات تھی؟ صرف یہ کہ تم خود جو چاہو عمل کرتے رہو لیکن تم دوسروں کو اپنی راہ پر چلانے کی دعوت کیوں دیتے ہو؟

۱۲۔ شعیب علیہ السلام نے کہا اس لئے یہی میرا کام ہے، اسے میں کیسے چھوڑ دوں؟ سچائی کی روشنی میرے سامنے ہے اس لئے میں اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔

۱۳۔ راہ حق میں ذاتی خصومت اور شخصی حسد سے بڑھ کر کوئی روک نہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے سرداروں کو شعیبؑ سے ذاتی خصومت ہوگئی تھی اس لئے شعیب علیہ السلام نے کہا کہ میری ضد میں آکر پیام حق کے مخالف نہ ہو جاؤ۔ کہیں اللہ کے عذاب کے مستحق نہ ٹھہر جاؤ۔

۱۴۔ انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا، وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دے گا لیکن اللہ کے خوف سے نہیں چھوڑے گا اس لئے لوگوں نے کہا کہ تجھے سنگسار کر دینا تھا لیکن تیرے قبیلہ کے خوف سے ایسا نہیں کر سکتے۔

۱۵۔ قرآن کریم شعیب علیہ السلام کی زبان سے یہ اعلان کرتا ہے کہ "قد جاء تکم بینۃ من ربکم" کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ "واضح دلیل" کیا ہے؟ بات بالکل صاف ہے کہ "واضح دلیل" وہ تعلیم ہے جو شعیب علیہ السلام قوم کو دے رہے ہیں۔ راست بازی اور عدالت یعنی عدل و انصاف کی راہ وہ ساری تعلیمات جو انہوں نے قوم کو دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے نزدیک انبیاء کرامؑ کی تعلیم اور خود نبی کی اپنی ذات "دلیل بینۃ" اور "حجت تام" ہے اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلحہ معجزہ بھی لازم ہو کیونکہ نبی کی تعلیم اور اس کی اپنی ذات سارے معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔

۱۶۔ باطل کی ایک بڑی شناخت یہ ہے کہ نہ وہ اپنے لئے دلائل کی روشنی رکھتا ہے اور نہ ہی روشن دلائل کو برداشت کرتا ہے بلکہ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اس کی موجودگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے دلائل کا جواب غصہ و دھمکی اور قتل سے دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے تم انبیائے کرامؑ اور ان کے پیروان حق کی زندگی اور پھر ان کے مقابل اور مخالف باطل پرستوں کی زندگی کا موازنہ کرو اور تاریخ کے اوراق سے واضح شہادت لو تو تم کو قدم قدم پر یہ حقیقت آشکار اور روشن نظر آئے گی۔ داستان شعیب اس سے لبریز ہے۔

تفسیر اشراق المعانی

(اجمالی تعارف)

حبیب الرحمٰن
استاد قائد ملت گورنمنٹ کالج، کراچی

تفسیر اشراق المعانی، سید اقبال ظہیر، ناشر اقراء ویلفیئر ٹرسٹ، بنگلور، انڈیا، سن اشاعت بار سوم ۱۹۹۹ء
Iqra@poboxes.com

قرآن کریم علم و معرفت خداوندی کا خزینہ ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ و جملہ اپنے معنی کی جامعیت، کاملیت اور وسعت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ رب العالمین نے اپنے کلام کے لئے عربی زبان کو منتخب فرما کر عربی زبان کو بھی اپنے کلام کی طرح زندہ اور معجزہ کر دیا۔ جتنا کامل اور عالمگیر اللہ کا کلام ہے عربی زبان کو بھی اتنی ہی عالمگیر وسعت سے نوازدیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر آنے والا دن قرآن کے بحر علم و معنی کا ایک نیا گوہر لے کر طلوع ہوتا ہے۔ قرآنی کائنات کے مطلع پر ہر دم شمس و قمر اور ستارے چمک رہے ہیں جن کی روشنی سے مخلوقات کو فیض پہنچ رہا ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے جس کے نوری قافلہ نے اس کے زمانہ نزول سے آج تک متلاشیان حق کو رہنمائی فراہم کی ہے۔ اس کتاب کے ساتھ سچی اور پختہ وابستگی سے طالبان حق پر ہمیشہ صبغۃ اللہ کا رنگ چڑھا کر انہیں اولئک ھم المومنون حقا کا خدائی سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے۔

اسلام کا پیغام مشرق سے نکل کر جب مغرب میں داخل ہوا تو کئی ایسے سنجیدہ، باذوق اور حق کے متلاشی افراد نے اس دین کے پیغام کو سمجھنے کے لئے قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش کی تاکہ مغرب جو اسلام کو بت پرستی اور محمڈن ازم سمجھتا تھا اس کی اصلیت معلوم ہو سکے۔ چنانچہ اس ضمن میں A.J Arberry اور M.D.Pikhtal نے قرآن پاک کا ترجمہ تفسیری نوٹ پر مشتمل مختصر تفاسیر مرتب کیں۔ مسلمان اہل علم، بالخصوص جنہیں اسلامی علوم اور انگریزی زبان و بیان پر قدرت تھی، نے بھی دینی فریضہ اور دعوت و تبلیغ کا اہم کام سمجھتے ہوئے قرآن پاک کے انگریزی تراجم اور تفسیریں لکھنے کے کام کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں عبداللہ یوسف علی، احمد علی لاہوری، علامہ اسد، عبدالماجد دریا آبادی، سید انور علی، نے مختلف ادوار میں قرآن پاک کا ترجمہ تفسیر کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس عظیم الشان کام کے نتیجے میں مغرب

میں رہنے والے، مغربی زبان سے واقفیت رکھنے والے اور مغرب سے متاثرہ افراد تک قرآن کا پیغام پہنچا اور آج بھی ایک جہاں اس سے مستفید ہو رہا ہے۔

مغرب جو مذاہب سے بیزار "الحق" سے دور، وحی کا منکر، ابدی صداقتوں کا دشمن، اور مغیبات پر ایمان کو عبث سمجھتا ہے پوری انسانی تاریخ کے ایک بالکل نئے اور اجنبی منظر نامے کی نقشہ گری کر رہا ہے، اس صورتحال کے ازالہ کی ایک علمی صورت یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کی طرف سے قرآن پاک کو بطور نمائندہ کتاب کے پیش کیا جائے کیونکہ دوسری کتابوں میں انسانی مداخلت اور خود انسانی فکر میں جو کمی انسان کی خود اپنی عدم کاملیت اور نقص کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے قرآن کریم اس سے کلیۃ مبرا اور منزہ ہے۔ یہ بات کسی خوش فہمی اور حسن عقیدت کی بناء پر نہیں کی جارہی ہے بلکہ تاریخ میں جھوٹے مدعیان نبوت اور یونانی فکر کی مغلوبیت وحی الٰہی یعنی قرآن پاک کے غالب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

آج اسلام کے مقابلہ میں یونان کے بجائے اسکی فکری اور علمی ذریت یونان یعنی مغرب ہے جس کا ذریعہ اظہار و بیان انگریزی ہے۔ اگرچہ کہ انگریزی پوری مغربی دنیا میں نہیں بولی جاتی لیکن اس کو امتیازی اسٹیٹس حاصل ہے کیمبرج انسائیکلوپیڈیا آف لینگویجز (۱۹۸۷ء) کی رپورٹ کے مطابق انگریزی کو دنیا کے ۲۵ ممالک میں SPECIAL STATUS حاصل ہے اور دنیا میں ۶۰ ممالک ایسے ہیں جہاں انگریزی مادری زبان نہیں ہے مگر ان ممالک میں انگریزی Semi-official لینگویج کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ عالمی طور پر انگریزی کو جہاں سائنس، ٹیکنالوجی، ٹورازم، ڈپلومیسی، بزنس اور ٹریڈ کی زبان سمجھا جاتا ہے وہیں بین الاقوامی سطح پر انگریزی زبان سے اسلام کی دعوت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کا کام بھی بہتر طور پر کیا جاسکتا ہے۔

قرآن پاک کی پیش نظر انگریزی تفسیر اشراق المعانی ایک ایسے غیر روایتی عالم دین کے قلم سے ہے جس کا تعلق برصغیر کے ایک معروف مذہبی رنگ رکھنے والے علمی خانوادے سے ہے۔

یہ تفسیر مولف کے عربی اور انگریزی زبان پر یکساں عبور کا پتہ دیتی ہے۔ تفسیر کے مندرجات، حوالہ جات اور مشمولات سے صاحب تفسیر کے وسعت مطالعہ اور ان کے علمی، فکری، ادبی اور فقہی بصیرت کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک ان کے قلبی اور روحانی احساسات اور کیفیات کا تعلق ہے جس کی روشنی میں انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت کے نور کو اپنے راہوار قلم سے بزبان انگریزی تفسیر کا جامہ پہنایا ہے اس کی ایک جھلک خود انکی اپنی پیش کردہ مثال میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جس میں علامہ

اقبال ؒ کے والد اپنے بیٹے کے دل میں قرآن کے چشمہ صافی اور سرچشمہ ہدایت سے مستفید ہونے کا سچا اور حقیقی طریقہ بیان فرمارہے ہیں:

"Dr-Muhammad Iqbal" father asked his son,who was reciting the Quran, as to what he was reading.The son,knowing that the father was aware what he was reading, responded with an indifferent answer.'Who was it revealed to?' was the nex question. The irritated son replied that it was revealed to prophet muhammed(ﷺ).This may,my son,'Said the father,' you will never profit from the Quran.You will profit only if you read with the belief that the revelation has just come down, that it has been sent down specifically for you,and that it is you who has been addressed. It is only then that this book will open itself to you"(Pg No viii)

صاحب تفسیر انگریزی میں اس قدر مفصل تفسیر لکھنے کے باوجود قرآن کریم کے قاری کو قرآن کریم کے اصل عربی متن پڑھنے کی اسقدر پرزور ترغیب دیتے ہیں کہ بجاطور پر لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا کوئی بھی ترجمہ، تفسیر، تشریح اور توضیح خود قرآن کریم کے براہ راست فہم اور اس سے استفادہ کا متبادل نہیں ہوسکتی۔

"The Quran should not only be read by oneself,directly,but also in its own language-Arabic.No commentary,however comprehensive,andno exegete,However erudite,can impart what the Quran itself can".The following reasons will illustrate the point".....?

قرآن کریم کے براہ راست فہم پر اتنا زیادہ زور وہ اس لیے دیتے ہیں کہ بقول صاحب تفسیر

کے "قرآن کریم معجزہ ہے اور معجزوں کو ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ "And of course,miracles cannot be translated"Pg No viii اس تفسیر میں جن اصولوں کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کی تفسیر کی گئی ہے وہ بعینہ وہ مطلوب اصول تفسیر ہیں جن سے صرف نظر کے نتیجہ میں قرآن کی تشریح اور تفصیل تو بیان ہو سکتی ہے لیکن مقصود قرآن ہرگز حاصل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن کی زبان میں اللہ تعالیٰ انسان سے براہ راست مخاطب ہے جبکہ انسان کی ذاتی، ذہنی، اختراعی اور وضعی فکر انسان اور قرآن کے درمیان حائل ہو کر اسے خدائی والہامی ہدایت کے حصول سے دور کر دیتی ہے۔ اسی بناء پر صاحب تفسیر نے اپنی تفسیر کے لئے پہلا اصول القرآن بالقرآن، پھر القرآن بالسنۃ الصحیحۃ الثابتۃ اور پھر القرآن بالاسلاف یعنی اقوال صحابہ، تابعین وتبع تابعین کا رضوان اللہ علیہم اجمعین کا منہج اختیار کیا ہے۔ صاحب التفسیر نے جہاں مفسرین کے درمیان فکر ورائے کا اختلاف ہوا ہے اس میں ان کے نزدیک قابل قبول رائے سلف کی ہوگی اسکی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک کے زیادہ صائب معنی ومفہوم فطری طور پر انہی افراد کا ہوگا جنہوں نے براہ راست صاحب قرآن علیہ السلام سے قرآن کی تعلیم اور اسکے فہم کی تربیت حاصل کی ہے۔

صاحب تفسیر نے قرآن پاک کے فہم میں احادیث صحیح کے ایک بڑے ذخیرہ سے استفادہ کیا ہے اور وہ تفسیر قرآن کے لئے احادیث رسول ﷺ سے استدلال واستنباط کو ناگزیر سمجھتے ہیں اسکی مثال انہوں نے اپنے تفسیر کے مقدمہ میں اس طرح بیان کی ہے کہ:

"قرآن کریم نے لفظ "ریح" بمعنی ہوا کے دو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ بعض جگہ بطور مفرد "ریح" اور بعض جگہ جمع کی صورت میں "ریاح"۔ مجموعی طور پر اس لفظ کا استعمال ۲۹ مقامات پر کیا گیا ہے۔ لیکن جب ہم بنظر غائر اور توجہ کے ساتھ اس لفظ کے معنی پر غور کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ جب قرآن عذاب الٰہی کی خبر دیتا ہے تو اس کا اظہار ریح یعنی مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں جب اللہ تعالیٰ خوشخبری کا اعلان فرماتا ہے تو اس کا اظہار "ریاح" جمع کے صیغہ کے ساتھ فرماتا ہے۔ اب قرآن پاک کے اس اصول لغت کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی ﷺ کے ان دعائیہ کلمات پر غور فرمائیں جو آپ طوفان وباد وعرض کے موسم میں فرماتے:

اللھم اجعلھا لنا ریاحا ولا ریحا

ترجمہ: اے اللہ اس موسم کو ہمارے واسطے خوشخبری (فائدہ والا) بنا اور اس کو ہمارے لئے باعث

زحمت ومصیبت نہ بنا"

تصوف اور اہل تصوف کے عظیم الشان اسلامی ادارہ کو جدید وقدیم علوم کے حامل ایک قلیل مگر با اثر گروہ نے جس طرح بدنام کر کے لوگوں کے قلوب میں ان شخصیات اور ان کے کام سے تنفر پیدا کرنے کی دانستہ کوشش کی ہیں سید اقبال ظہیر صاحب نے اپنے مقدمہ تفسیر میں ان حضرات کی مساعی کو "تزکیہ" احسان سے تعبیر کر کے پورے دین کی اصل ہی روح کے تزکیہ کو قرار دیا ہے اور اپنے تفسیری کام میں ان حضرات گرامی قدر کے کام سے جابجا استفادہ کو ضروری گردانا ہے۔ کیونکہ شریعت پر عمل، قلب میں اخلاص للٰہیت اور تقویٰ کا حصول اور رجوع الی اللہ کے لئے اس سے بہتر دوسرا ذریعہ اور طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ ایسا کوئی بھی کام یا طریقہ جو تصوف کے نام پر کیا جائے اور اس کا شریعت سے کوئی واسطہ نہ ہو ظاہر ہے کہ اسکی کوئی حقیقت اور اہمیت نہیں ہے۔

اس تفسیر کے لکھنے میں جن قدیم عربی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن قیم، زمخشری کی کشاف، زرکشی، شوکانی، صابونی وغیرہم شامل ہیں جبکہ جدید تفاسیر میں تفسیر عثمانی، معارف القرآن، تفہیم القرآن، سید قطب کی فی ظلال القرآن، عبداللہ یوسف علی کی The Glorious Quran، علامہ اسد کی Massage of the Quran اور عبدالماجد دریا آبادی کی Holly Quran, Translation and Commentory، شامل ہیں۔

سورۃ فاتحہ سمیت تقریباً تمام سورتوں کا آغاز "Merits of the Surah" یعنی فضیلت سورت سے کرتے ہیں اس عنوان کے تحت سورۃ کی فضیلت پر مشتمل احادیث وروایات کو جمع کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرۃ کے شروع میں کیا گیا ہے۔

تفسیر کے طرز تحریر میں دو کالمی انداز اختیار کیا گیا ہے یعنی جس صفحہ پر قرآن کی آیات تحریر میں اس کے بالکل سامنے صفحہ کے باقی نصف پر اس کا انگریزی ترجمہ لکھا گیا ہے اور یہی انداز آیات کی انگریزی تفسیر میں بھی از اول تا آخر جاری ہے۔ تحریر کا انداز انگریزی رخ یعنی بائیں سے دائیں (Left to Right) ہے ہر صفحہ پر بائیں کالم کے اختتام پر دائیں کالم فوری شروع ہو جاتا ہے جس کا تسلسل تحریر کے تسلسل کیساتھ جاری رہتا ہے۔

جب کوئی عربی کا حوالہ دیا جاتا ہے تو صرف انگریزی ترجمہ پر اکتفا کرنے کے بجائے عربی عبارات جو زیادہ تر آیات قرآنی اور احادیث رسول پر مشتمل ہیں تحریر کر دی گئی ہیں اور تفسیر میں جہاں جہاں

کسی اہم عنوان کو نمایاں کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں باقاعدہ عنوان یا موضوع جلی حروف (Heading) کی صورت میں لکھا گیا ہے مثلاً پہلی جلد میں صفحہ نمبر ۲۹ Hypocrisy صفحہ نمبر ۲۳۳ Taqwa صفحہ نمبر ۳۰۲ The Tabut صفحہ نمبر ۳۳۶ Riba صفحہ ۳۳۳ women in the secular

تفسیر کا انداز روایتی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسائل کو بھی مطلوبہ اہمیت دی گئی ہے مثلاً حج کی سماجی اور معاشرتی اہمیت مندرجہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہوں اگرچہ کہ الفاظ غلپ کے ہی کے ہیں مگر ان کو مناسب مقام پر جوڑا گیا ہے۔

"The socializing influence of such a gathering of the brotherhood of believers from the four quarters of the earth is hard to over-estimate.It afforded oppourtunity for Negroes,Berbers,Chinees,Persians,Syrians,Turks,Arabs -Rich and Poor,high and low-tofraternise and meet togather on the common ground of faith"

اور اسی طرح کے اقتباسات مختلف جگہوں پر دیے گئے ہیں مثلاً ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ کی تفسیر کے تحت عبدالماجد دریا آبادی کے حوالہ سے سورۃ بقرۃ آیہ نمبر ۲۰۱ کے مذکورہ ٹکڑے کی عمدہ توضیح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"Daryabadi presents a christian Scholar"Puzzle:This is wne of the most puzzling Paradoxes in Islam. As to recognising,using and enjoying this world,Islam is a most Practical Religion,but on the doctrine of Salvation,it is absolutely and entirely other-worldly......"

تفسیر میں جا بجا اہم مقامات کی وضاحت نقشہ سے کی گئی ہے مثلاً حج سے متعلقہ آیات میں مواقیت اور حدود و حرم کو نقشہ کی مدد سے واضح کیا گیا ہے اور اسی طرح مختلف مقامات کے فاصلوں کو منزل کوس اور میل کے بجائے کلومیٹر کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ صفحہ نمبر ۲۳۷۔۲۳۸۔ جلد اول پر اس کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

جن آیات سے فقہی اور قانونی احکام کا استنباط ہوتا ہے وہاں "Legal Points" کے عنوان اور ذیلی سرخی کے ذریعہ متعلقہ آیت میں وارد ہونے والے احکام کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ائمہ فقہائے کرام کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد عمومی طور پر راجح اور مرجوح قول کے بحث سے غالباً جان بوجھ کر اغماض برتا ہے تاکہ تفسیر پر کسی خاص مسلک کا رنگ غالب نہ ہو اور نہ ہی یہ یک مسلکی حیثیت اختیار کرے۔

تفسیر میں جا بجا اہل کتاب کے عقائد کا رد اور ان کے اعمال سیئہ کی بنیاد پر اللہ کی طرف سے انکی گرفت کو بڑے زوردار انداز میں بیان کیا گیا ہے مثلاً صفحہ نمبر ۱۰۰ پر سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۹۵ کی تفسیری وضاحت میں یہودیوں کی موجودہ نسل کے مزاج، عبادات واطوار اور نفسیات میں اپنے منسوب آباء اجداد کے پختہ پیروکار ہونے کی دلچسپ مثال بیان کی ہے۔

"Interestingly,The National Geographic Magazine reports in one of its articles that in the modern day Israel, where the Rabbis have declared even the operation of an elevator as a breach of the Sabbath, The Jews set the elevator Switches in such a manner, that from friday evening until the next evening the lifts are operative all the time with the small inconvenience of halts at every floor..."

پوری تفسیر عموی انگریزی کے تلفظ کی غلطی سے مبرا ہے سوائے ایک آدھ جگہ کے مثلاً مفسرین کے لئے Exigits بجائے Exegete(s) کے لکھا ہوا ہے جو یقیناً کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ہوگی ورنہ پوری تفسیر سلیس رواں، شستہ اور شائستہ انگریزی میں مہارت کا خوبصورت علمی وادبی مرقع ہے جو بھاری بھی کم، شاذ اور مشکل الفاظ اور محاوروں کے بوجھ سے آزاد ایک اوسط انگریزی پڑھے لکھے ہوئے شخص کے لئے بھی قابل فہم ہے۔ پاکستان سمیت پوری دنیا میں انگریزی دان مسلمان افراد تک مناسب قیمت میں سہل الحصول طریقہ پر پہنچنے سے محترم سید اقبال ظہیر صاحب کی یہ انتھک محنت اور جد وجہد بارآور ثابت ہوگی۔

تفسیر المسائل والاحکام

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
صدر اقراء کونسل جامعہ اسلامیہ کورے وال (ٹرسٹ)

نشہ میں طلاق، جبری طلاق اور اکٹھی تین طلاقیں

سوال: اکثر سننے میں آتا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دی یا کسی نے گن پوائنٹ پر طلاق دے دی یا کسی نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں کیا ان تمام صورتوں میں واقعی طلاق ہو جاتی ہے؟

(بشریٰ طاہر، عزیز آباد، کراچی)

طلاق حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض شے ہے۔ جسے اسلامی معاشرت میں بامر مجبوری قبول کیا گیا ہے یہ نکاح کے بندھن کو ختم کرنے کا اولین اور موثر ترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے اصلاً نکاح پر ہی زور دیا ہے۔ اور معاشرے کے بڑوں کو بھی یہی کہا ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں اور زیر دستوں کا نکاح کرانے میں عملی دلچسپی لیں۔ مگر طلاق کے معاملہ پر، قرآنی تعلیم یہ ہے کہ شقاق (باہمی ناچاقی) کی صورت میں جو بالعموم طلاق پر منتج ہوتا ہے اولاً مرد و عورت کی طرف سے دو ثالثوں کا تقرر ہو، جو فریقین کے درمیان پیدا ہونے والے نزاع کا حل تلاش کریں۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ۚ ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ؕ (النساء: آیت ۳۵) اور تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے مابین شقاق باہمی کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کر دو۔ اگر وہ دونوں مصالحت کا ارادہ رکھیں تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ یہ مرحلہ اس لیئے رکھا گیا ہے کہ شریعت کا اولین تقاضا عورت کو طلاق سے بچانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد کے ارادۂ طلاق کو اس کے فیصلہ طلاق بننے میں کچھ وقت لگے۔ اور اس درمیانی مدت میں مرد اپنے ارادہ پر، اگر ممکن ہو تو نظر ثانی کر لے، تا کہ کسی عورت کا گھر برباد نہ ہو جائے پھر بچوں کی موجودگی میں انکی ضرورت کئی گنا آپ ہی آپ بڑھ جاتی ہے۔ پھر طلاق کے بعد عدت کو رکھا گیا ہے۔ جسکی ایک حکمت یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو دوران عدت، رجوع کا موقع مل سکے تا کہ وہ دونوں اس مدت میں اپنے اپنے رویوں پر نظر ثانی کر کے، اگر ضرورت داعی ہو تو اپنا گھر حسب سابق آباد کر سکیں۔ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ (الطلاق: ۱) تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے (طلاق دینے کے) بعد (رجوع کی)

کوئی نئی صورت پیدا فرما دے۔

یہ وہ حقیقت ہے جو قرآن کے عمومی مطالعہ سے بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ طلاق کی سنگینی بالعموم عورت پر، اسکے بچوں پر بلکہ پورے خاندان پر اپنے منفی اثرات مرتب کیئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لیئے طلاق نہ صرف زندگی کا سب سے زیادہ حساس معاملہ ہے بلکہ نتائج کے اعتبار سے سنگین بھی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ اس کے باوجود طلاق یا طلاق ثلاثہ کی تنفیذ میں عجلت پسندی کے مظاہرے اور وقوع کے فتاوے آئے دن دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ اس پر سوائے کف افسوس ملنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ طلاق نافذ کرنے میں اتنی دلچسپی، جلدی اور اصرار ہماری تہذیبی معاشرت کی ابتری اور قرآن سے دوری کی آئینہ دار ہے۔ یہ ابتری اور دوری کہیں تو ایک ساتھ تین طلاقوں کے وقوع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ کہیں سکران یعنی نشہ کی حالت میں، کہیں جبر و اکراہ کی کیفیت میں، وغیرہ ذالک جبکہ یہ تمام صورتیں ابنارمل (Abnormal) صورتیں ہیں۔ اور قرآنی تعلیمات کے برعکس بھی اس لئے میں ان فقہا اور علماء کے نقطۂ نظر سے متفق ہوں جو ان کے عدم وقوع کے قائل ہیں۔ تفصیلی دلائل الگ مضامین میں ظاہر کیے جائیں گے۔ سر دست اسی پر اکتفا کیجئے۔

تحقیقی ضرورت، سرقہ بازی، اور کاروباری منافع

سوال: میں نے ایک تفسیر کی کتاب میں پڑھا ہے کہ "یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرا، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل کرنا قانونی جرم ہے" میں چونکہ پی ایچ ڈی کی طالبہ ہوں اس لیئے جاننا چاہتی ہوں کہ کیا میں اب اس کتاب سے کوئی حوالہ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ حوالہ کے لیئے عبارتیں بھی نقل کرنا پڑتی ہیں۔ نیز یہ بھی بتایئے کہ اس قسم کی پابندی لگانا، قانون مذہب کی رو سے درست بھی ہے یا نہیں؟

(راشدہ پروین، ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی)

جواب: اس قسم کی تحریریں پتہ نہیں کس مقصد کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ تفسیر کی کتاب میں اگر مؤلف نے خود دوسرے بیشمار علمائے تفسیر، ائمہ لغت و ادب فقہائے مذاہب، اور مؤلفین احادیث کے جملے، پیرے، لائنیں اور مختلف اقسام کے مواد کو بطور حوالے کے نقل کر رکھا ہو تو وہ کسی دوسرے کو اس امر کا پابند کیسے کر سکتا ہے کہ دوسرا ایسا کام ہرگز نہ کرے۔ یہ تو وہی بات ہوئی لم تقولون مالا تفعلون۔ تم وہ بات کیوں کہتے ہو، جو خود نہیں کرتے۔ کتاب چھاپنے کا مقصد فروغ علم و دانش ہوتا ہے اور کسی کتاب سے حوالہ کی نقل خواہ ایک جملہ کی ہو یا کئی صفحات کی (حسب ضرورت اور بطور ثبوت) کہیں پیش کرنی ہوتی ہے اور یہ عمل کسی تحقیق کار پر ہی کیا موقوف عام قاری کے لیئے بھی بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ حوالہ میں متعلقہ مواد نقل یا پیش

کرے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی پابندی عائد کرنا، نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ قاری کو اسکے جائز حق سے روکنا بھی ہے یہ پابندی تحقیق کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس سے عمل تحقیق متاثر ہوتا ہے۔

اگر یہ پابندی اس لیئے عائد کی گئی ہے کہ کوئی قاری یا محقق مؤلف کے جملوں، اور فقروں کو نقل کر کے اس پر تنقید نہ کر سکے تو یہ مؤلف کا خود پر عدم اعتماد ہے۔ ہاں اگر کوئی یہ لکھتا ہے کہ کتاب ہٰذا سے قابل حوالہ مواد مصنف کے نام کے بغیر نقل کرنا قانوناً جرم ہے تو ایسی پابندی یقیناً قابل فہم ہے کیونکہ اس تحریر کا مفاد، لوگوں کو سرقہ بازی سے روکنا ہے، جو بجہد ضروری ہے۔ کیونکہ اب سرقہ بازی کا کلچر بھی عام ہوتا جارہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مؤلف کی کتاب سے معتد بہ مواد خواہ وہ مؤلف کے نام سے ہی کیوں نہ ہو، کاروباری منافع کی غرض سے نقل کر کے چھاپتا ہے تو بے شک یہ بھی جرم ہے۔ اور ایسے مجرموں کے خلاف بھی قانونی کاروائی ضروری ہے۔

نامرد کی منکوحہ اور اس کی عدت

سوال: جو آدمی حق زوجیت کی ادائیگی کے قابل نہ ہو، پھر خلع کے ذریعے رشتۂ ازدواج ختم ہو جائے تو کیا اس صورت میں بھی عورت کو عدت گزارنی پڑے گی۔

(مسعود احمد خان، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

جواب: ہرگز نہیں، عدت کس بات کی؟ جب مجامعت نہیں ہوئی، عدت کیسی؟ عدت کی دو حکمتیں ہیں۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعے رحم کی حالت کا پتہ چلایا جاتا ہے کہ کہیں مختلعہ یا مطلقہ حاملہ تو نہیں اور اس حقیقت کو جاننے کے لیئے "ثلٰثۃ قروء" یعنی تین حیض کی عدت رکھی گئی ہے۔ اور بصورت حاملہ یہی عدت وضع حمل تک ممتد ہو جاتی ہے۔ مگر یہ سب اس وقت ہوتا ہے کہ جب مقاربت کا عمل وقوع پذیر ہوا ہو۔ اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ مرد جماع کی صلاحیت سے محروم تھا اس لیئے اس علیحدگی پر کوئی عدت نہیں کہ جسے مرد شمار میں لائے۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

یاایها الذین امنوا اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها. (الاحزاب۔۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو تو تمہارے لیئے ان عورتوں پر کوئی عدت نہیں کہ جسے تم شمار کرو۔

یہاں "تمسوھن" کے الفاظ بظاہر صحبت ومجامعت کے لیئے بطور کنایہ استعمال ہوئے ہیں مگر

یہ کنایہ صراحت معنوی سے مالا مال ہے۔ اور یہ قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں، حقیقت نفس الامری کو ویسے ہی بیان کر دیتا ہے کہ جیسے کوئی صراحت ہو۔ ایسے موقعوں کے لیئے یہ کہنا بالکل بجا ہے الاشارۃ ابلغ من العبارۃ. واضح رہے کہ مجامعت اور خلوت صحیحہ میں بڑا فرق ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ یہاں مجامعت کے مفہوم پر منطوق ہوئے ہیں نہ کہ خلوت صحیحہ کے مفہوم پر جیسا کہ اکثر سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ خلوت ہر حال میں صحبت کو مستلزم نہیں ہوتی بلکہ صحبت تو کجا فقط چھونے کو بھی مستلزم نہیں ہوتی۔ اس لیئے قرآن نے تمسوھن کی قید لگائی ہے نہ کہ خلوت کی۔ اور یہ کہ کسی نامرد کے کیلئے تو خلوت صحیحہ کا ہزار بار وقوع بھی، صحبت ومجامعت کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔ پھر ایسے میں استبرائے رحم کا کیا سوال کہ جسے جاننے کے لیئے عدت کا مرحلہ درپیش ہو۔

ہمارے نزدیک اس طرح کے معاملات (Cases) کی روک تھام کے لیئے قانون سازی کی ضرورت ہے میری رائے میں تو ایسے شوہروں کو کوئی نہ کوئی سزا ضرور ملنی چاہیئے کہ جو مردانہ صلاحت سے محرومی کے باوجود، کسی عورت سے شادی کر کے اسے مختلعہ یا مطلقہ ہونے کی ذہنی اذیت میں مبتلا کرتے ہیں۔

بہر حال نفس مسئلہ پر مذکورہ بالا آیت بطور نص کے ہے۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

نقطۂ نظر

رجم کی سزا

جسٹس ایس۔اے۔ربانی

سابق جج سندھ ہائی کورٹ اور فیڈرل شریعت کورٹ

علماء و فقہاء کے تمام تحریر و تقریر اور فتاویٰ کے باوجود رجم کی سزا کی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں میں شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ دلائل کا منطقی طور پر قابل قبول نہ ہونا ہے، زیادہ تر دلائل تو اس پر منحصر ہوتے ہیں کہ اس معاملے میں فقہاء اور اماموں نے کیا کہا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک آیت (الشیخ والشیخۃ ...) نازل ہوئی تھی جس کے الفاظ بعد میں منسوخ کر دیئے گئے، لیکن اس کا حکم نافذ رہا۔ یہ بات صریحاً قرآن کی صداقت اور مکمل ہونے کی حقیقت کے خلاف ہے اور اسے مان لیا جائے تو یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ اصل مکمل قرآن کیا ہے۔ ماضی میں کس نے کیا سمجھا ہے اور کیا کہا ہے، کسی بات کا حتمی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ سوائے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور احکام کے۔

علماء یا اہل علم کا کام یہ ہے کہ مشکل اور پیچیدہ معاملات اور مسائل کو آسان کر کے لوگوں کے سامنے رکھیں تاکہ عام لوگ اسے سمجھ سکیں اور اسکا فائدہ اٹھا سکیں، لیکن شاید یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ تمام فلسفی آسان کو مشکل اور پیچیدہ بنا کر پیش کرتے رہے ہیں۔ اہل علم کو شاید یہ لاشعوری خوف ہوتا ہے کہ اگر اس نے عام اور آسان بات کی تو لوگ اس کے علم پر شبہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں کو قرآن میں حدود کا نام نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ حدود کا لفظ قرآن مجید میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی نافذ کردہ سزائیں ہیں اور کسی کو بھی ان میں ردّ و بدل کا اختیار نہیں ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر۲ میں حکم دیا گیا ہے کہ زانیہ اور زانی دونوں کو سو سو کوڑے مارو۔ یہاں پر رجم کی سزا کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں اس سزا کے موجود نہ ہونے کے باوجود یہ کہا گیا ہے کہ سو کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے اور شادی شدہ مجرموں کے لئے سزا رجم ہے۔

اسکی دلیل کے لئے سنت اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا سنت اور حدیث قرآن میں تبدیلی یا اضافہ کر سکتی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ اضافہ نہیں وضاحت ہے۔ اسکے لئے نماز

کی مثال دی گئی کہ اسکے طریقہ اور تفصیلات سنت و حدیث سے ملتے ہیں۔ یہ مثال مطمئن نہیں کرتی کیونکہ نماز کے بارے میں قرآن میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ نماز قائم کرو۔ اس حکم سے قدرتی طور پر سوال اٹھتا ہے کہ اسکا طریقہ کیا ہوگا۔ جس کا جواب سنت سے مل گیا۔ جبکہ زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو، کے حکم سے ایسا کوئی سوال قدرتی طور پر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مکمل اور واضح حکم ہے اور یہ سورۃ النور آیت نمبر ۲ میں کہہ بھی دیا گیا ہے۔ نماز سنت کی وضاحت کے بغیر ادا کی ہی نہیں جاسکتی تھی مگر زانی کو سو کوڑے مارے جاسکتے تھے۔

رجم کی سزا کی حیثیت کے تعین کے لئے استدلال اس طرح کیا جاسکتا ہے، مسلمان ہونے کے لئے قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو توراۃ پر ایمان لانا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ توراۃ اللہ تعالیٰ کے اقوال اور احکامات پر مشتمل کتاب ہے۔ ہم اس سے رجوع اس لئے نہیں کرتے کیونکہ اس میں تحریف ہو چکی ہے اور یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اصل کیا ہے اور تحریف کیا ہے۔ یہودیوں کا جو مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس میں رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا دیتے وقت فرمایا: فانی احکم بمافی التوراۃ، میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو توراۃ میں ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کر دی کہ یہ حکم توراۃ میں موجود ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرما دی کہ رجم کا حکم توراۃ میں موجود ہے، تو اس حکم کی حیثیت یہ ہوگی کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اسی کی نازل کردہ کتاب میں ہے اور اس کتاب پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اس ایمان کے نتیجہ میں اس حکم پر عمل اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس حکم پر جو سورۃ النور کی آیت نمبر۲ میں نازل ہوا ہے۔

دونوں احکام اللہ کے ہیں اور اسی کی نازل کردہ کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور دونوں پر ایمان ہمارے لئے لازمی ہے۔ اس لئے توراۃ میں دیا گیا رجم کا حکم سورۃ النور کی آیت نمبر:۲ میں دیئے گئے حکم کے ساتھ نفاذ کے سلسلے میں پڑھا جائے گا، کیونکہ دونوں احکام ایک ہی موضوع کے متعلق ہیں۔

نوٹ: اگر کوئی صاحب علم و دانش اس موضوع پر اپنی رائے دینا چاہیں تو التفسیر کے صفحات اس بحث کیلئے حاضر ہیں۔ (ادارہ)